© rasailojaraid.com

اسلام کا جمہوری نظام

از

(جناب محمد قطب الدین احمد صاحب)

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط (آل عمران - ۱۵۹)

تمہید اسلام اپنا ایک خاص جمہوری نظام رکھتا ہے، جس کی مثال عہدِ حاضر کے نظامات میں ڈھونڈنا عبث ہے۔ قدیم وجدید طرز کی حکومتوں میں یہ اپنی ایک منفرد اور نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ نہ اس کو امریکہ کی طرز کی جمہوری حکومت کہہ سکتے ہیں، اور نہ اس کا دامن اشتراکی روس کے سیاسی نظام سے باندھا جاسکتا ہے۔ بعض باتوں میں ظاہری مماثلت کو دیکھ کر یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ اسلام کا طرزِ حکمرانی بھی ان ہی چیزوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، جن پر موجودہ زمانے کی عظیم مملکتیں عمل پیرا ہیں۔ جس طرح گھوڑے اور گدھے کے اعضائے جسم کے باہمی اشتراک پر ایک سطحی نظر ڈال کر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ دونوں یکساں ہیں، ایسے ہی موجودہ سیاسی نظامات کو اسلام کے ہم پلہ قرار دینا بعید از حقیقت ہے۔

کائنات کا ہر گوشہ وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کے مظاہر کا ایک تماشہ گاہ ہے جب موجودات میں اس قدر تنوع کے باوجود ایک طرح کی یک رنگی پائی جاتی ہے، تو پھر ایک ہی نوع کے نظاماتِ اجتماعی میں ایسی مشاکلت کا پایا جانا قطعی وناگزیر کیوں نہ ہو۔ مگر اس سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا جمہوری نظام بھی موجودہ نظامات ہی کی ایک قسم ہے۔ اصل و روح سے بیگانہ رہ کر محض شکل وصورت پر حکم لگانا کہاں تک فہم حقیقت میں ممد ومعاون ہوسکتا ہے۔ امریکی جمہوریت اپنی ایک خاص نوعیت رکھتی ہے، اشتراکی عمومیت ایک خاص طرز وروش کی حامل ہے، اور اسلامی جمہوریت ان سب سے الگ ایک مخصوص وممتاز حیثیت پر فائز ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبائے خلافت ہی ایک ایسی تشریف ہے جو اس کے قامتِ موزوں پر راست آسکتی ہے، امریکہ اور روس کا کوئی تراشیدہ ملبوس اس کے شائستہ اندام نہیں ہو سکتا۔

یک قبا نیست کہ شایستہ اندامِ تو نیست ؟ بہ طراز ندگی قامت موزوں نازم

جس نظام حکومت کی داغ بیل عہدِ رسالت میں ڈالی گئی، اور خلفائے راشدین کے دور میں جس پر ایک قصر رشید تعمیر کیا گیا، وہی ہمارے لئے بطور ایک نصب العین کے کام دے سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ حالات بدل چکے ہیں، زمانہ کو چودہ سو سال پیچھے لوٹایا نہیں جا سکتا۔ کون کہتا ہے کہ پیچھے لوٹو، اور وہی احوال وظروف اپنے پر طاری کر لو۔ اسلام رجعت پسند نہیں بلکہ ایک ترقی پسند مذہب ہے۔ یہ آگے بڑھنا چاہتا، اور اس کی تمام تر تعلیمات آگے بڑھنے ہی کے لئے ہیں۔ جب ہی تو یہ ایک زندۂ جاوید مذہب ہے۔ یہ ایک نامی جسم ہے، جو ہر وقت پھلتا پھولتا اور نئے برگ وبار لاتا رہتا ہے۔ جمود و تعطل کو اس کے مزاج سے ایسی ہی بے گانگی ہے، جیسے سیلاب کے لئے تھمنا، سیماب کے لئے جمنا، اور مشک کا عطر بیزی سے محروم ہو جانا ہے۔ حرکت و نفوذ اس کا مایۂ خمیر ہے۔ حالات اگر بدل جائیں، تو احکام میں بھی تبدیلی واقع ہو گی۔ اصول و کلیات اپنی جگہ اٹل ہیں، ان میں کبھی تغیر واقع نہیں ہو سکتا۔ ایک درخت اپنی اصل پر قایم رہ کر ہمیشہ نئے برگ وبار پیدا کرتا رہتا ہے، لیکن شاخوں اور پتوں کے تغیر سے اس کے اصل وجود میں کیا فرق آتا ہے، بلکہ اس سے تو اس کی زندگی کا ثبوت ملتا اور اس کے جماؤ اور استحکام میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اصل و روح پر قائم رہ کر ہر مفید طریق کار جو اسلام کے مزاج کے موافق ہو، وہ گویا عین اسلام ہی کا طریقہ ہے۔ ہر دانائی کی بات اور اچھی چیز مومن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں وہ اس کو پاتا ہے اپنا لیتا ہے۔ "الحکمة ضالة المومن حيث وجدها فهو احق بها" میں اسی طرز روش کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

باوجود اختیار و عمل میں ان تمام آزادیوں کے ہم اپنا ایک مخصوص نظامِ فکر رکھتے ہیں ہم کو دوسروں کی نقالی نہیں بلکہ خود اپنا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ تہذیبِ حاضر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ظاہری طمطراق اور چمک دمک کو دیکھ کر ہمیں مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، جب کہ خود ہمارا دامن ایسے زر و جواہر سے مالامال ہے، جو اگر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں تو دنیا کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جائیں

فارغ ز خیرگی نگرد روئے آفتاب این دیدہ آزمودۂ نظارۂ کسے ست

اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اسلام کے جمہوری اصول اس خصوص میں پہلی چیز جو اسلام پیش کرتا ہے، وہ حاکمیت کا تصور ہے، جس کو جدید اصطلاح میں اقتدارِ اعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام حاکمیت کو نہ کسی فردِ واحد کے لئے تفویض کرتا ہے، اور نہ کسی طبقے، جماعت یا قوم کو یہ حیثیت عطا کرتا ہے۔ جو ذاتِ مطلق اس حاکمیت کی سزاوار ہے، وہی اسلام کے نزدیک حاکمِ حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

قرآن کی کوئی سورۃ اور سورۃ کا کوئی مقام ایسا نہیں جو خالقِ کائنات کی فرمانروائی، اور موجودات کی ہر شے پر اس کی احاطت وقدرت کو ظاہر نہ کر رہا ہو۔ بائے 'بسم اللہ' سے سین 'والناس' تک سارا قرآن اس کی بالادستی اور حاکمیت سے مملو ہے۔ ہم یہاں پر چند آیات بطور نمونے کے پیش کرتے ہیں:۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (انعام - ۵۷)	"حکومت بجز خدائے بلند و برتر کے کسی کا حق نہیں"
لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ اَحَدًا	"خدا کے حقِ حکومت میں کوئی دوسرا شریک نہیں"
فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (المومن - ۱۲)	"حکومت اللہ ہی کے لئے ہے، جو بالادست اور بڑا ہے"
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (المومنون - ۱۱۶)	"بلند و بالادست اور برحق حکمراں"
وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف - ۲۱)	"اللہ اپنی حکومت کے کاموں میں غالب ہے لیکن انسانی اکثریت اس حقیقت کو نہیں سمجھتی"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (انعام - ٦١)	"اللہ اپنے بندوں پر زور اور غلبہ رکھنے والا ہے"
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (بروج)	"جس چیز کا ارادہ کرتا ہے کر گذرتا ہے"
لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (انبیاء - ۲۳)	"وہ اپنے اعمال میں غیر مسئول ہے"
بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ	"وہی تمام اقتدار کا مالک ہے"
وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المومنون - ۸۸)	"وہ سب کو پناہ دیتا ہے، اور کوئی نہیں جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو"
اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ	"خبردار خلق اس کی ہے اور امر بھی اسی کے لئے ہے"
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمن - ۳۳)	اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکلو لیکن طاقت کے بغیر نکل نہیں سکتے جو تمہیں حاصل نہیں ہے۔
اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ	"اس کی ذات منزہ عن الخطا ہے"
مَلِكِ النَّاسِ	"انسانیت عامہ کا فرمانروا"
اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ	"حکمرانوں کا حکمراں - سب سے بہتر فرمانروا"

کیا کسی فرد یا مجموعۂ افراد، یا کسی ادارہ پر ایسی غیر محدود حاکمیت کا اطلاق ہو سکتا ہے، جو اقتدار اعلیٰ کا اصل منشا و مراد ہے۔ شاہی نظام، عدیدی نظام، یا عمومی نظام ان میں سے کسی کا بھی تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ ایسا علی الاطلاق اقتدار کبھی کسی کو حاصل رہا ہے۔ مخلوق کی ہر فرمانروائی کے پیچھے کتنی طاقتیں ہیں جو ان کے ظاہری اقتدار پر پابندیاں عاید کر رہی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آئے دن نظام سیاست میں انقلابات آتے رہتے، بغاوتیں رونما ہوتیں، اور حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ آخر اس انسانی حاکمیت کی سریع الزوالی اور ہمہ وقت تغیر پذیری کی کیا وجہ ہے؟ اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ یہ سب بے اصل و باطل فرمانروائیاں ہیں۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہرین سیاسیات جب مختلف سیاسی نظامات میں اقتدار اعلیٰ کو تلاش کرتے ہیں تو انھیں اس کا کوئی صحیح مصداق نہیں ملتا۔

جب حقیقی حاکمیت خالقِ کائنات کی مان لی گئی تو خود بخود قانونی حاکمیت بھی اس کی تسلیم کی جائے گی۔ حکم و قانون کا سرچشمہ جب ذاتِ الٰہی قرار پایا تو دنیا میں حکومت کی جو صورت باقی رہتی ہے وہ خلافت و نیابت کی حیثیت رکھتی ہے۔ خدائی احکام و قوانین ہمیں انبیاء کے توسط سے معلوم ہوتے رہے ہیں، جو اپنی آخری اور مکمل صورت میں پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوتے۔ حکومت خدا کی، قانون خدا کا، ملک خدا کا، زمین خدا کی، تمام افرادِ نسلِ انسانی اس کے بندے،

"اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اللّٰہِ" سازی مخلوق خدا کا کنبہ،

"خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ" زمین پر اللہ کی نیابت کرنے والے،

اور کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ ، ہر شخص حاکم اور ہر شخص اپنے زیردستوں کی بابت خدا کے پاس جوابدہ۔

کل انسان بحیثیت انسان کے آپس میں برابر، بزرگی و فضیلت صرف تقوے کو حاصل مگر جماعت کے نظم و انضباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر فرد کسی ایک مرکز سے وابستہ رہے کائنات کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سنتِ الٰہی ایک خاص نظام پر کارفرما ہے۔ جسے قانونِ مرکز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ انفس و آفاق میں یہی قانون کارفرما ہے۔ نظامِ شمسی اسی مرکزیت کے قانون پر چل رہا ہے۔ نباتات میں بھی یہی مرکزیت جاری ہے اور خود انسان کے وجود میں قلب اسی مقام پر فائز ہے۔ ایسے ہی انسانی معاشرہ کے لئے بھی ایک قائد یا امام کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ تشتت و افتراق سے محفوظ اور ایک ہی لڑی میں منسلک رہے۔ حضورِ رسالت کی حیاتِ طیبہ میں یہ مرکزیت ذاتِ رسالتؐ میں مرکوز تھی، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔

خدا کی حاکمیت تسلیم کرنے سے جو چیز بطور نتیجہ کے پیدا ہوتی ہے۔ وہ انسانی مساوات، حریت اور باہمی اخوت ہے۔ قرآن کا اعلان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ؕ (النسا - ۱)

"اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا (یعنے جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے) پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی:-

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے،

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ؕ (الحجرات - ۱۳)

"اے افرادِ نسلِ انسانی! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں اور برادریاں قایم کر دیں تاکہ تم باہم شناخت کئے جا سکو۔ اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، بے شک اللہ جاننے والا با خبر ہے۔"

مدینہ میں تاسیسِ حکومت کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ کی طرف سے جو اعلان حریت و مساوات عالم انسانیت کو پہنچایا گیا اس کے جستہ جستہ فقرے یہ تھے:-

"لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر، اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقوے کے سبب۔ ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں تلے ہیں۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینے، اور اس شہر میں محترم ہے۔ ہاں!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے، ہاں! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا باپ جوابدہ نہیں۔ اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو، اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں، اور آدمؑ کی خلقت مٹی سے ہوئی تھی، پس سب آپس میں برابر ہیں۔ جاؤ! اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤ، اب تم سب کے سب آزاد ہو۔"

یہ محض زبانی اعلان نہ تھا، بلکہ اس مساوات کی تعلیم آپ اپنے ہر قول و عمل سے مسلمانوں کو دیتے رہے۔ آپ نے اپنی نشست و برخاست، گفتگو اور تعلقات میں کبھی کسی امتیاز کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ محفل میں اپنے ہم جلیسوں کے ساتھ اس طرح مل جل کر بیٹھتے کہ ناواقف کو یہ دریافت کرنا پڑتا کہ صدر محفل کون ہے۔ آپ جب تشریف لاتے تو تعظیماً کھڑے ہونا بھی آپ کو ناگوار گزرتا، اور یہ فرماتے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ ایک بار ایک صحابی نے کہا، اے آقائے من! آپ نے فرمایا مجھ کو آقا نہ کہو، آقا تو صرف ایک ہی ہے، اور وہ خدا کی ذات ہے۔ ایک بار ایک بدوی حاضر ہوا، اور ڈرتا ہوا خدمت نبوی میں آگے بڑھا، آپ نے اس کی اس حالت کو دیکھ کر ارشاد فرمایا، تم مجھ سے ڈرتے ہو، میں اس ماں کا بیٹا ہوں، جو قدید کھایا کرتی تھی۔

چہ عظمت دادہ یا رب بخلق آں عظیم الشاں   کہ 'انی عبدہٗ' گوید بجائے قول 'سبحانی'

حضرت انسؓ دس برس تک خدمت نبوی میں رہے، لیکن ان کا بیان ہے کہ اس مدتِ طویل میں مَیں نے جتنی خدمت آپ کی کی، اس سے زیادہ آپ نے میری کی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ تحکمانہ کام لینا اور جھڑکی دینا تو ایک طرف آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام اس طرح کرنا چاہیے تھا ایسا کیوں کیا۔ ایک مرتبہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس ایک غلام کو لے کر تشریف لاتے، اس وقت حضرت فاطمہؓ کے پاس اتنا چھوٹا کپڑا تھا کہ وہ اس سے سر ڈھانکتی تھیں تو دونوں پیر کھل جاتے تھے، اور دونوں پاؤں چھپاتی تھیں تو سر کھلا رہتا تھا، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا لیس علیک باس، انما ھو ابوک، کوئی مضائقہ نہیں، یہ تو تمہارا باپ ہے (تفسیر بیضاوی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے بڑھ کر اخوت و مساوات کا کون سا مقام ہو سکتا ہے، جس کا ذہنِ انسانی تصور کر سکتا ہے۔ جب متحدہ طور پر صحابہ کوئی کام کرتے، تو آپ بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے۔ چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت آپ سب کے ساتھ اینٹ اور پتھر اُٹھا رہے تھے۔ قانونی مساوات کا یہ عالم تھا کہ قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری میں ماخوذ ہوئی۔ قریش نے آنحضرتؐ سے سفارش کرنے کے لئے حضرت اُسامہؓ کو آمادہ کیا، جن کو آپ بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن جب اس واقعہ سے متعلق اُسامہؓ نے آپ سے سفارش کی تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا، اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا (چوری کا ذکر صرف خصوصیت واقعہ کی بنا پر ہے، ورنہ اس سے مراد عام جرائم ہیں) تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے، پر جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ لیکن خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے جاتے۔[1] یہ دعا لسانِ نبوت سے کئی مرتبہ سنی گئی، "خدایا! میں غریب ہوں، مجھ کو غریبوں میں زندہ رکھ، اور غریبوں ہی کے زمرہ میں اُٹھا۔" کھانے کے وقت آپ فرطِ انکسار سے یہ فرماتے، "میں خدا کا غلام ہوں، اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک غلام کھاتا ہے۔"

خلفائے راشدین کا بھی یہی طرزِ عمل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلا خطبۂ خلافت جو دیا اس کے الفاظ یہ تھے، لوگو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں، گو میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں، کوئی نئی بات کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کرو، اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ تم میں جو ضعیف ہے، وہ میرے نزدیک قوی ہے تاآنکہ میں اس کا حق نہ دلوا دوں، اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے پاس کمزور ہے، جب تک کہ میں اس سے دوسرے کا حق واپس نہ لے لوں۔" حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ میں کسی معاملہ میں نزاع واقع ہوئی۔ زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ جب ان کے پاس گئے، تو انھوں

---

[1] بخاری الشفاعۃ فی الحدود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے تعظیماً جگہ خالی کردی۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم سے اس مقدمہ میں سرزد ہوئی، یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ جبلہ ابن ایہم غسانی ایک عیسائی والی ملک نے عہد فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا۔ طواف کعبہ کے موقع پر اس کی چادر کا ایک گوشہ کسی شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اس کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے غصہ سے بے تاب ہو کر حضرت عمرؓ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا جیسا تم نے کیا تھا اس کا بدلہ پایا۔ اس بات سے وہ ناراض ہو کر اسلام سے پھر گیا اور رومیوں سے جا ملا، لیکن خلیفہ اسلام نے قانونِ مساوات کے پیش نظر اس کے ارتداد کی کچھ پرواہ نہ کی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کی ایک گم شدہ زرہ یہودی کے پاس پائی گئی۔ آپ نے اسے واپس لینا چاہا، لیکن اس نے دینے سے انکار کیا۔ مقدمہ قاضی شریح کے پاس پیش ہوا۔ قاضی نے گواہ پیش کرنے کے لئے کہا، اس پر آپ نے اپنے صاحبزادہ حسن اور اپنے غلام قنبر کی شہادت پیش کی۔ قاضی نے کہا بیٹے کی باپ کے لئے اور غلام کی آقا کے لئے گواہی قبول نہیں کی جاسکتی۔ اس عدل و انصاف کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اقبال جرم کے ساتھ مسلمان ہوگیا۔

عہدِ رسالت میں شوریٰ پر عمل آنحضرتؐ پیغمبر تھے، ہر موقع پر وحی و تنزیل کے ذریعہ آپ کی ہدایت کی جاتی تھی اس پر بھی آپ کو "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ" کا حکم دیا گیا، یعنی معاملات حکومت میں کسی کام کے عزم و ارادہ سے قبل اہل الرائے سے مشورہ کرلیا جائے، اور جب صلاح مشورہ سے کوئی بات طے پا جائے تو پختہ عزم کرلیا جائے، اور اللہ کے بھروسہ پر کام شروع کردیا جائے۔ حضرت عائشہؓ کی شہادت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی کو اس بارے میں نہ پایا کہ لوگوں سے مشورہ کرکے کام کیا جائے حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔ عہدِ نبوت میں مختلف واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب مدینہ میں مسلمانوں کو ایک گونہ امن و سکون حاصل ہوا تو نماز با جماعت کے اعلان کے لئے آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا، اور عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق، جنہیں رویائے صادقہ کے ذریعہ ہدایت کی گئی تھی، اذان کے لئے ان ہی کے بیان کردہ الفاظ اور طریق اعلان کو پسند فرمایا گیا تکذیب واقعہ افک کی بابت بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا جس میں حضرت عمرؓ علیؓ اور اسامہؓ وغیرہ جیسے صحابہ شامل تھے۔ غزوۂ بدر میں آگے بڑھنا اور کنوئیں پر مقیم ہونا شوریٰ ہی کے ذریعہ طے پایا۔ فدیۂ اسارائے بدر کی بابت بھی مشورہ کیا گیا۔ مسجد نبوی میں منبر کی تنصیب، غزوۂ احزاب میں محصور ہو کر مدینہ کے اطراف خندق کا کھودا جانا، ایام خندق میں حملہ آوروں سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار پر صلح کرنے کی بحث، اور حدیبیہ میں جنگ کا مسئلہ وغیرہ ایسے متعدد واقعات ہیں جن میں حضورؐ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔

خدمات پر تقرر میں اعلیٰ صلاحیتوں کا لحاظ خدمات ملکی پر تقرر میں کسی خاندان، قبیلہ، نسل، سن، آزاد یا غلام کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ جس کے کردار اعلیٰ ہوتے، یا جس میں اعلیٰ صلاحیتیں پائی جاتیں، اس کو مامور کیا جاتا۔ یہاں تک کہ نماز کی امامت جس کو شروع اسلام میں خاص اہمیت حاصل تھی، حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام، حضرت سالم کو مسجد قبا میں اس خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ یہ وہی سالم مولیٰ ابی حذیفہ ہیں، جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں اپنے بعد ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔ دعاۃ۔ سفراء، معلمین، کاتبان وحی، اور قائدین لشکر کے لئے بھی قریشی اور غیر قریشی کا کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ سریہ موتہ میں حضرت زیدؓ کو امیر لشکر مقرر کیا گیا۔ آخری لشکر جو حضورؐ نے ترتیب دیا تھا، اس کی ایالت حضرت اسامہ کے تفویض کی گئی، جو ایک انیس سالہ نوجوان تھے، اور ایک آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادہ تھے۔ ان کے تحت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کئے گئے۔ عمومیت کا ایک خاص وصف جس پر بڑے شد و مد سے زور دیا جاتا ہے، وہ یہی ہے کہ ہر شخص کو اس کی صلاحیتوں کے لحاظ سے آگے بڑھنے اور ترقی پانے کے مواقع حاصل رہیں اسلام اس کی پوری تائید کرتا ہے۔ عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ کی تاریخ کا کوئی صفحہ الٹ دیکھئے تو ہر موقع پر یہ چیز نمایاں نظر آئے گی۔

خلیفہ کا انتخاب جمہوریت کا ایک خاص عنصر معاملات حکومت کا باہم صلاح مشورہ سے طے پانا ہے۔ قرآن خود ذات رسالت کو "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کا حکم دیتا ہے، اور مسلمانوں کی حکومت کا یہ خاص وصف تبلایا گیا ہے، "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" ان کی حکومت باہمی مشورہ سے ہے۔ اس آیت میں حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے، جس سے یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامیہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں، بلکہ جمہور اسلام کی ملک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا، اور یہ کام عام مسلمانوں کے انتخاب کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب حضرت عمرؓ کی تحریک اور مہاجرین و انصار کی تائید سے سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا، اور دوسرے دن آپ کے ہاتھ پر عام بیعت کی گئی۔ انصار و مہاجرین کی جماعت اور اہل مدینہ کو شروع اسلام میں ایک نمائندہ حیثیت حاصل تھی، جن کی پیروی اور تائید عامۃ المسلمین کیا کرتے تھے۔ موجودہ جمہوری ڈھکوسلوں سے اس وقت کی سادہ فطرت ناآشنا تھی، اور نہ خود کو کوئی صدر حکومت یا دیگر خدمات کے لئے پیش کرتا تھا، جھوٹے وعدوں اور سبز باغ دکھا کر قومی جذبات سے اس وقت کھیلا نہیں جاتا تھا۔ ارباب حل و عقد کی نظر انتخاب خود بخود قوم کے بہترین فرد پر پڑتی تھی، اور اس سے خواہش کی جاتی تھی کہ وہ اس خدمت کا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے۔ جو شخص حکومت و اقتدار کا حریص ہوتا ہے اس کی دیانت و صداقت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری اور مسلم میں حضورؐ کا ارشاد ہے "بخدا ہم ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو، یا جو اس کا حریص ہو" ابو داؤد میں ہے

اِنَّ اَخْوَنَکُمْ عِنْدَنَا مَنْ طَلَبَہٗ — ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو خود اس کا طالب ہو

چنانچہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی اس خدمت کی بطور خود کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔

حضرت امیر علیہ السلام کی ذات گرامی پر جو اس طرح کی بدگمانیاں کی جاتی ہیں، وہ محض بے بنیاد اتہامات ہیں جو بعد میں افتراق انگیز عناصر نے اپنی مفاد پرستیوں کے تحت آپ کی ذات والاصفات سے منسوب کئے ہیں اگر فی الحقیقت حضرت علیؓ کے قلب مبارک میں ایسی کوئی خواہش ہوتی، تو خلفائے ثلاثہ میں سے آپ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ فرماتے۔ جس طرح سعد بن عبادہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، یا امیر معاویہ نے حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت سے انکار کر کے مخالفانہ روش اختیار کی تھی۔ وہی صورت آپ بھی اختیار فرما سکتے تھے۔ حضرت علیؓ سرتاپا خلوص و للّٰہیت تھے۔ شیخین اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ نے جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے نفسی سے کام کیا اور ہر اہم معاملہ میں اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرماتے رہے، وہ آپ کی بے لوث خدمات کے شاہد عادل ہیں۔ جب پہلی مرتبہ مصر کے بلوائی عبداللہ ابن ابی سرح والی مصر کی شکایت لے کر مدینہ میں جمع ہوتے تو حضرت علیؓ نے اپنی حسن تدبیر سے اس فتنہ کو فرو فرمایا، اور انھیں اپنے اپنے علاقوں میں واپس جانے پر رضامند کیا۔ چنانچہ یہ لوگ واپس جا چکے تھے، مگر راہ میں خلیفہ کا ایک جعلی خط ملا جس کو دیکھ کر پھر یہ دارالخلافہ واپس ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، جس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حسنؓ و حسینؓ اور اپنے غلام قنبر کو حفاظت کے لئے بھیج دیا چنانچہ یہ سب اس مدافعت میں زخمی ہوتے مگر کسی کو مکان کے دروازہ سے اندر داخل ہونے نہ دیا۔ اگر حضرت علیؓ کے دل میں خلافت کی ذراسی بھی خواہش ہوتی تو کیا اس موقع سے وہ فائدہ نہ اٹھاتے؟ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جب حضرت صدیقؓ بیعت عامہ کے وقت منبر پر تشریف فرما ہوتے اور آپ نے حاضرین پر نظر ڈالی تو حضرت علی مرتضٰی نظر نہ آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا علیؓ کہاں ہیں، انصار میں سے چند لوگ اُٹھے اور حضرت علیؓ کو بلا لاتے۔ حضرت صدیقؓ نے کہا آپ آنحضرت کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو، عرض کیا نہیں یا خلیفہ رسول اللہ اور آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[۱]

حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ فاروق کو نامزد کرنے سے قبل ارباب حل و عقد اور ملت کے سربرآوردہ اصحاب سے مشورہ کیا، اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سب لوگ حضرت عمرؓ کی خلافت پر باہم متفق ہیں جب آپ کو اس کا کامل اطمینان ہوگیا تو حالت مرض میں بالاخانہ پر تشریف لے گئے، شدت ضعف کے سبب کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی، آپ کی بی بی اسماء بنت عمیس دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوتے تھیں، نیچے مسلمانوں کا مجمع عام تھا۔ آپ نے ان کو اس طرح مخاطب فرمایا: "کیا تم راضی ہو اس شخص سے جس کو میں تم پر اپنا جانشین بناؤں؟ خدا کی قسم میں نے غور و فکر کر کے رائے قائم کرتے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو مقرر نہیں کیا ہے۔ میں نے عمر بن الخطاب کو جانشین بنایا ہے۔ پس تم ان کی سنو اور

---

[۱] (ازالۃ الخفاء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطاعت کرو"۔ مجمع سے آوازیں آئیں، ہم نے سنا اور تسلیم کیا۔ اس کے بعد آپ نیچے اتر آئے، اور حضرت عثمانؓ کو طلب کر کے اپنی یہ وصیت املاء فرمائی۔ "یہ عہدنامہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی آخری زندگی کا ہے جب کہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے، اور عالم آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت میں ہے۔ جہاں کافر مومن بدعقیدہ عقیدت مند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمر بن الخطاب کو جانشین کیا لہذا ان کا حکم سنو اور مانو خوب سمجھ لو کہ اس بارے میں خدا، اس کے رسول، اور اس کے دین کی، اور خود اپنی اور تمہاری خیرخواہی ادا کرنے کی میں نے پوری کوشش کی ہے۔ اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے، اور اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ نیت میری بخیر ہے، غیب کا علم مجھے نہیں۔ جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے۔ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں"۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کو تخلیہ میں طلب فرمایا اور بہت سی وصیتیں کیں اور پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: "اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے۔ بہترین اور قوی ترین شخص کو جانشین کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔ میرے لئے تو کوچ کا حکم آ چکا۔ اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں، وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ ان کے حاکموں کو صلاحیت دے، اور میرے جانشین کو خلفائے راشدین کے زمرہ میں شامل کر اور اس کے ماتحتین کو صلاحیت عطا فرما"۔

ان واقعات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں شروع سے آخر تک "وامرھم شوریٰ بینھم" کی روح کارفرما ہے۔ حضرت صدیقؓ نے پہلے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، جب سب عمر فاروق کی خلافت پر متفق نظر آئے تو عام مسلمانوں کے سامنے اس تجویز کو پیش کیا گیا، جس کی سب نے یک زبان ہو کر تائید کی آخر میں آپ نے اپنی وصیت املاء فرمائی۔ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ محض اپنی تجویز و رائے کے اظہار پر خدا سے ہر لغزش و خطا کی معافی چاہ رہے ہیں۔ کیا اس سے کہیں بھی اس امر کا شائبہ گذر سکتا ہے کہ آپ نے حاکمانہ اور آمرانہ انداز میں اپنے جانشین کو مامور فرمایا تھا؟ اس کا ہر اصول، ہر شرط، ہر صورت اور ہر قانون د

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضابطہ، دین کے تحفظ کے بعد اکابر امت کی مرضی، رائے عامہ، اور اجماع امت کے تابع ہے، جس میں شخصیت، خاندانی وراثت، اور شہنشاہیت کو کوئی دخل نہیں۔

جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو آپ نے رسول اللہ صلعم کے معتمد ترین چھ اصحاب کی، جو سارے کے سارے عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ باہمی مشورہ سے ان میں سے کسی ایک شخص کو خلیفہ مقرر کریں۔ چونکہ یہ اصحاب تمام امت کی نظر میں ہر طرح پر اس منصب کے اہل تھے، اس لئے آپ نے انتخاب کو ان میں محدود کر دیا۔ اس مجلس نے انتخاب کا کام حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے سپرد کیا۔ انھوں نے مدینہ میں چل پھر کر عام لوگوں کی رائے معلوم کی، گھر گھر جا کر عورتوں تک سے پوچھا، مدرسوں میں جا کر طلباء سے دریافت کیا۔ مملکت کے مختلف گوشوں سے جو لوگ حج سے اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس جاتے ہوئے مدینہ ٹھہرتے تھے ان سے استصواب کیا۔ اس تحقیقات سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ امت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ دو شخص ہیں۔ عثمانؓ و علیؓ۔ اور ان دونوں میں عثمانؓ کی طرف لوگوں کا میلان ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ ہوا، اور مجمع عام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد علی مرتضیٰ کے پاس چند اصحاب نے حاضر ہو کر خلافت قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، "یہ معاملہ تمہارے فیصلہ کرنے کا نہیں ہے، یہ تو اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر پسند کریں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملہ پر غور کریں گے۔" (الامامت والسیاست، ابن قتیبہ) اسی طرح پر مختلف جماعتیں آتی رہیں اور خلافت کے لئے شدت سے اصرار ہوتا رہا۔ پہلے آپ نے اس بار گراں کے اٹھانے سے انکار کیا لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اس بار عظیم کے اٹھانے پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اگر آپ حضرات کا یہی منشا ہے تو مسجد میں چلئے، "کیوں کہ میری بیعت خفیہ طور پر نہیں ہو سکتی، اور مسلمانوں کی عام رضامندی کے بغیر اس کا انعقاد ممکن نہیں۔ (طبری جلد ۳) چنانچہ آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے، اور مہاجرین و انصار کی ایک کثیر تعداد نے، بعض روایات کے بموجب جس میں حضرت طلحہؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبیر بھی شامل تھے، اپنی مرضی سے حلف اطاعت اُٹھایا۔

جب حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا، تو آپ سے یہ دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد کیا ہم آپ کے صاحبزادے حسنؓ سے بیعت کریں۔ اس پر آپ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا، "نہ میں تم کو اس کا حکم دیتا ہوں، اور نہ اس سے منع کرتا ہوں، تم لوگ خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔" (طبری جلد ۴) گو آپ نے انتخاب خلیفہ میں جمہوری طریق کا لحاظ کر کے حضرت حسن کو نامزد نہیں فرمایا، اور جانشینی کے مسئلہ کو جمہور مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ لیکن اوصاف دکمالات کے لحاظ سے حضرت حسن سے بہتر اور کوئی شخصیت نہیں تھی۔ اہل عراق سب اس معاملہ میں ہم خیال تھے۔ چنانچہ قیس بن سعد انصاری نے بیعت میں سبقت کی اور کہا میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے کہا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے۔ اس کے بعد عام اہل عراق نے بیعت کی۔

یہ تھا وہ طریق انتخاب جو خلافتِ راشدہ کے تیس سالہ دور میں رائج اور اسلام کی روح کے عین مطابق تھا۔ اسی پر صحابہ کا تعامل رہا، اور ہر ایک نے اس کو بنظر استحسان دیکھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے کسی کا تقرر بھی وراثت یا باستبداد رائے نہیں ہوا، بلکہ مجمع عام میں مہاجرین و انصار کی (جو بمنزلہ ارکان خاص تھے) کثرت رائے سے، اور عام مسلمانوں کی (جو بمنزلہ ارکان عام تھے) تائید و تسلیم سے ہوا۔ حضرت عمرؓ نے صاف فرمایا تھا "خلافت صرف مشورہ سے طے ہو سکتی ہے، شریعت میں اس کے تعین کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔"

حضرت امیر علیہ السلام نے امیر معاویہ کے جواب میں اپنے چند بلیغ جملوں میں انتخابِ خلافت اور جمہوریت کے تمام ارکان کی نہایت خوش اسلوبی سے توضیح فرمائی ہے۔ امیر معاویہ کے جواب میں ارشاد ہوا کہ جس قوم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیعت کی تھی، اور جن شرائط پر بیعت کی تھی، اس نے انھی شرائط پر میری بھی بیعت کی ہے جو مجلس انتخاب میں موجود نہ ہو اس کو حق نہیں کہ اپنی رائے پر اڑا رہے، اور جو غیر حاضر ہے اس کو حق نہیں کہ اپنی غیر حاضری کی بناء پر انتخاب عام کو رد کر دے۔ حق مشورہ مہاجرین و انصار کا ہے۔ اگر وہ کسی ایک شخص پر متفق الرائے ہو جائیں اور اس کو امام مقرر کر دیں تو یہ ان کی تمام قوم کی رضائے عام پر دال ہے۔ پس اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی ان کی متفق علیہ رائے کے خلاف اپنی کسی ذاتی منفعت اور جاہ طلبی کے تحت افتراق و فساد کا موجب ہو، تو واجب ہوگا کہ جس سے وہ علیحدہ ہوا ہے اس کے قبول پر مجبور کیا جائے، اور اگر اب بھی نہ مانے تو اجماع رائے مسلمین کی حفاظت کی بنا پر اس سے جنگ کی جائے۔ (نہج البلاغت)

خلیفہ کے اوصاف

چونکہ منصب خلافت متنوع حیثیتوں کو اپنے میں شامل کئے ہوتے ہے، اس لئے ہر حیثیت کے لحاظ سے ضروری صفات کی تعیین کر دی گئی۔ ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کیا جائے جس میں مفصلۂ ذیل اوصاف پائے جائیں:- مسلمان ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عاقل و بالغ ہو، صاحب رائے و نظر ہو، تدبیر و انتظام کی پوری قوت رکھتا ہو، احکام شریعت کا محافظ ہو، ان کو جاری و نافذ کرنے، اسلامی ممالک کی حفاظت اور دشمنوں کی روک تھام کے لئے جس قدر علمی و عملی قوتوں کی ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہوں، اتباع شریعت، عدل و انصاف، شجاعت و بسالت، شوکت و صولت، ساری صفتوں سے متصف ہو۔ شاہ صاحب رح نے ازالۃ الخفاء میں اگرچہ حضرت عمرؓ کی بابت اس جامعیت کمالات کے وصف کو بڑی حسن و خوبی سے بیان کیا ہے، مگر یہ صفت خلیفۂ اول اور خلیفۂ چہارم پر، اور کسی قدر حضرت عثمانؓ پر بھی حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔ شاہ صاحب رح نے اسی وصف کو ان بلیغ الفاظ میں ظاہر کیا ہے:-

"سینۂ فاروق اعظم را بمنزلۂ خانہ تصور کن کہ درہا مختلف دارد در ہر درے صاحب کمالے نشستہ، در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین با آنہمہ سلیقۂ ملک گیری وجہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء، و در در دیگر نوشیروانے با آنہمہ رفق ولین و رعیت پروری و داد گستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروق سوء ادب است) و در در دیگر امام ابوحنیفہ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام، و در در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاءالدین، و در در دیگر محدثے بروزن ابوہریرہ و ابن عمر، و در در دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فریدالدین عطار، مرداں گرداگرد ایں خانہ ایستادہ اند و ہر محتاج حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید و کامیاب می گردد۔"

© rasailojaraid.com